کلامِ ہاشم شاہ کا منظوم اُردو ترجمہ......ایک جائزہ

محمود الحسن بزمی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ پنجابی، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

The translations from one language to other is a transmission of knowledge, wisdom and experiences. The Urdu literature keeps many exemples of translations from local and fariegn languages. In this article translations of Hashim Shah's Punjabi Poetry has been discussed. The translator, Shafqat Tanvir Mirza beautifully and appreciably represents Hashim's views and thoughts from Punjabi Poetry to Urdu Poetry.

ہاشم شاہ پنجابی زبان کے صوفی شعرا میں ایک اہم مقام کے حامل صوفی شاعر ہیں۔ انہوں نے تصوف کو فلسفیانہ انداز میں اپنی شاعری میں بیان کیا وہ عملی طور پر بھی صوفیا کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے متصوفانہ واردات و کیفیات کو انہوں نے بہت ڈوب کر اپنی شاعری میں بڑے پراثر انداز میں بیان کیا۔ دوسرے پنجابی صوفی شعرا کی طرح انہوں نے بھی علامتوں اور استعاروں کے ذریعے متصوفانہ افکار کو اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا ہے۔ پنجابی شاعری میں ان کی وجہ شہرت ان کے دوہے ہیں۔

ہاشم شاہ کے منتخب کلام کے منظوم اُردو ترجمہ نگاروں میں پہلے پہل عبدالمجید بھٹی اور شفیع عقیل کے نام آتے ہیں۔ ان دونوں کے تراجم ''خیابان پاک'' (۱۹۵۶ء) کے صفحہ نمبر ۱۲۵ سے ۱۲۷ تک شامل ہیں۔ ان میں پہلے عبدالمجید بھٹی کے ترجمہ شدہ چار دوہے ہیں۔ پہلے دوہے کا انہوں نے عنوان نہیں دیا لیکن اگلے تین کے بالترتیب ''شرط وفا''، ''مسلک'' اور ''چاہت'' عنوان دیے ہیں۔ ان کے بعد شفیع عقیل کے ترجمہ شدہ تین دوہے ہیں۔ شفیع عقیل کے یہ ترجمے بعد میں ان کی کتاب ''پنجاب رنگ'' میں بھی شامل ہیں۔

عبدالمجید بھٹی اور شفیع عقیل کے بعد کتابی صورت میں ہاشم شاہ کے منتخب کلام کا پہلا اور واحد ترجمہ شفقت تنویر میرزا کا ہے۔ جو ''ہاشم شاہ'' کے عنوان سے لوک ورثے کا قومی ادارہ، اسلام آباد کی طرف سے مارچ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔

فہرست کے بعد ''پہلی بات'' کے عنوان سے دو صفحوں پر مشتمل مظہر الاسلام کی ہاشم شاہ کے بارے میں تحریر ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۷ سے ۱۵ تک شفقت تنویر میرزا کا ''ہاشم شاہ، زندگی، فن'' کے عنوان سے مختصر مگر بھرپور مضمون

ہے۔ پھر مترجم کی طرف سے تین صفحوں پر مشتمل ''کچھ ترجمے کے بارے میں'' تحریر ہے جس میں شفقت تنویر میرزا نے ترجمے کی مشکلات اور ان کے اسباب کو گہری تنقیدی بصیرت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ صفحہ ۲۱ سے لے کر آخری صفحہ نمبر ۲۱۳ تک ہاشم شاہ کے کلام کا منظوم اُردو ترجمہ ہے۔ فہرست اور متن کے مطابق ان کی ترتیب حسب ذیل ہے: دوہڑے، سی حرفی، مدح غوث الاعظم، سسی پنوں اور سوہنی مہینوال۔ اس ترجمے میں ہاشم شاہ کے ۱۹۵ دوہڑوں کا ترجمہ شامل ہے۔ کتاب میں پنجابی متن ساتھ دیا گیا ہے۔ ایک صفحے پر اصل متن اور اس کے مقابل صفحے پر اس کا منظوم اُردو ترجمہ، اس طرح ہر صفحے پر تین دوہڑے آئے ہیں۔ شفقت تنویر میرزا نے اس کتاب میں شامل ہاشم شاہ کے بارے میں اپنے مضمون میں بہت سی غلط فہمیوں کو دور کیا ہے۔ لیکن دو باتیں وضاحت طلب معلوم ہوتی ہیں۔ وہ ہاشم شاہ کی تاریخ ولادت اور وفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ہاشم شاہ ۱۱۴۸ ہجری یا ۱۷۳۵ عیسوی میں مدینے میں پیدا ہوئے۔ جبکہ وفات جگد یوکلاں میں ۱۲۵۹ ہجری یا ۱۸۴۳ عیسوی میں ہوئی۔''[۱]

اس حساب سے ہاشم شاہ کی عمر تقریباً ۱۰۸ برس بنتی ہے۔ جس کی کسی اور شہادت سے تصدیق نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد[۲] نے ہاشم شاہ کی تاریخ ولادت ۱۷۵۲ء اور تاریخ وفات ۱۸۲۱ء درج کی ہے۔ اسی طرح ''پنجابی زبان وادب کی مختصر تاریخ'' کے مصنف ڈاکٹر انعام الحق جاوید[۳] نے بھی یہی تاریخ ولادت درج کی ہے۔ ڈاکٹر فقیر نے ہاشم شاہ کا کلام مرتب کیا تو مقدمے میں ''پنجابی شاعراں دا تذکرہ'' اور ''پنجابی ادبی تاریخ'' کے حوالے سے یہی سنن درج کیے لیکن ساتھ ہی ان کے بارے میں شبے کا اظہار بھی کیا۔ باقی بھی تقریباً پنجابی شعر وادب کی تاریخ کی دیگر کتب میں یہی سنن ہیں لیکن شفقت تنویر میرزا نے ان سے بہت مختلف تاریخیں درج کیں ہیں اور حوالہ یا اپنا ماخذ نہیں بتایا۔

شفقت تنویر میرزا نے اپنے اس ترجمے میں ہاشم کے ۱۹۵ دوہے شامل کیے جبکہ اپنے مقدمے میں ایک محقق (انہوں نے نام نہیں دیا) کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہاشم شاہ کے ۲۰۸ دوہے ہیں۔ میرزا صاحب نے ہاشم شاہ کے متن کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے ترجمہ کرتے وقت کلام کا کون سا ایڈیشن سامنے رکھا ہے تاہم ہاشم شاہ کا کلام پہلے پہل ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے ۱۹۶۲ء میں مرتب کیا تھا جو پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور کی طرف سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔[۴]

فقیر صاحب کے مرتبہ ہاشم شاہ کے کلام کے اس ایڈیشن میں ۲۰۷ دوہے، اغلب ہے کہ شفقت تنویر میرزا کے سامنے فقیر صاحب والا مرتبہ یہی ایڈیشن رہا ہو کیونکہ ایک تو اس وقت کوئی اور ایسا معتبر ایڈیشن نہیں تھا دوسرا یہ کہ میرزا صاحب کا درج کردہ پنجابی متن فقیر صاحب والے ایڈیشن کے مطابق ہے۔ متن کے لحاظ سے بھی اور ترتیب کے لحاظ سے بھی۔ بس کہیں کہیں ایک آدھ لفظ کی تبدیلی ہے وہ بھی شاید کتابت کی غلطی کی وجہ سے یا بعض الفاظ کی املا میرزا صاحب کے ہاں مختلف ہے۔ لیکن شفقت تنویر میرزا نے فقیر صاحب کے مرتبہ متن کی نسبت جو بارہ دوہڑوں کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے اس کا سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ جب اتنی کثیر تعداد (یعنی ۲۰۷ میں سے ۱۹۵) میں دوہڑوں کا ترجمہ کر

دیا ہے تو پھر بارہ کو چھوڑ دینے کی وجہ وہی جانتے ہیں۔ خود میرزا صاحب نے اس سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے یہ کیوں چھوڑ دیے۔ دوسرا یہ ہے کہ شفقت تنویر میرزا کے اس ترجمے میں شامل، ہاشم شاہ کی سی حرفی اور مدح غوث الاعظم، یہ دونوں فقیر کے مرتبہ ایڈیشن میں شامل نہیں ہیں اور ترجمہ نگار نے ان کا ماخذ بھی نہیں بتایا کہ یہ متن انہوں نے کہاں سے لیا ہے۔ ممکن ہے انہیں یہ ہاشم شاہ کے خاندان کے کسی فرد سے ملا ہو لیکن اس کی وضاحت مقدمے میں ہو جاتی تو بہتر تھا۔ قصہ ''سسی پنوں'' اور ''سوہنی مہینوال'' کے بھی منتخب بند ترجمہ کیے ہیں یہ مکمل قصے نہیں ہیں۔ میرزا صاحب نے ''سسی پنوں'' کے ۲۰ بند ترجمہ کیے جبکہ ڈاکٹر فقیر کے ہاں اس کے ۱۲۴ بند ہیں۔ اسی طرح سوہنی مہینوال کے میرزا صاحب نے صرف تیرہ بند ترجمہ کیے ہیں جبکہ ڈاکٹر فقیر کے ہاں اس قصے کے ۱۵۷ بند ہیں۔

ہاشم شاہ کے کلام کا یہ واحد ترجمہ ہے جو کتابی صورت میں موجود ہے اس لئے ہاشم شاہ کے کلام کے دیگر جزوی ترجمہ نگاروں میں سب سے زیادہ اہمیت شفقت تنویر میرزا ہی کو حاصل ہے۔

میرزا صاحب کے ترجمے کے بعد جزوی طور پر شریف کنجاہی کا ترجمہ بھی اہم ہے۔ جو ان کی کتاب ''پنجابی شاعری سے انتخاب'' (۱۹۸۳ء) میں صفحہ ۵۴ سے ۵۷ تک اصل متن کے ساتھ شامل ہے۔ شریف کنجاہی نے ہاشم شاہ کے پانچ دوہڑوں کا ترجمہ کیا ہے۔

ذیل میں ہاشم شاہ کے کلام کے ترجمہ نگاروں کے تراجم کی فہرست زمانی ترتیب سے مکمل کوائف کے ساتھ ملاحظہ ہو۔ شفقت تنویر میرزا کا ترجمہ چونکہ کتابی صورت میں ہے لہٰذا اسے سب سے پہلے درج کیا جاتا ہے۔ باقی جزوی ترجمہ نگاروں کے اندراجات زمانی ترتیب سے ہوں گے۔

۱۔ شفقت تنویر میرزا، ''ہاشم شاہ''، (منظور اُردو ترجمہ)، لوک ورثے کا قومی ادارہ، اسلام آباد، مارچ ۱۹۷۹ء، کل صفحات: ۲۱۳

۲۔ عبدالمجید بھٹی، ''دوہے''، (ہاشم شاہ کے چار دوہے)، مشمولہ: خیابان پاک، مرتبہ: ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی، ۱۹۵۶ء، ص: ۱۲۵۔ ۱۲۶

۳۔ شفیع عقیل، ''دوہے''، (ہاشم شاہ کے تین دوہے)، مشمولہ: خیابان پاک، ایضاً، ص: ۱۲۷، مشمولہ: پنجاب رنگ

۴۔ شریف کنجاہی، ''دوہے''، (ہاشم شاہ کے پانچ دوہے)، پنجابی شاعری سے انتخاب، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء، ص: ۵۴۔ ۵۷

ان ترجموں کے جائزے کے لیے لغت کی کتب کے علاوہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کا مرتبہ ہاشم شاہ کا کلام بہ عنوان ''کارے'' بھی پیش نظر ہے جو دسمبر ۱۹۸۷ء میں پاکستان پنجابی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ شفقت تنویر میرزا اور شریف کنجاہی نے اصل متن ساتھ دیا ہے جبکہ عبدالمجید بھٹی اور شفیع عقیل نے اصل پنجابی متن ساتھ نہیں دیا۔ ہر ترجمے کے موازنے کیلئے فقیر صاحب کے مرتبہ ایڈیشن سے مدد لی گئی ہے۔

ہاشم شاہ کے کلام کے ترجمہ نگاروں میں شفقت تنویر میرزا کو صرف اس وجہ سے امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہے کہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ کلام کا کتابی صورت میں ترجمہ پیش کیا ہے۔ یہ تو ان کا اعزاز ہے ہی جو کوئی دوسرا

نہیں چھین سکتا۔ اس کے علاوہ ان کے اس ترجمے کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ ہاشم شاہ کے افکار کو بہت بہتر اور واضح انداز میں پیش کیا ہے جو نہ صرف ہاشم شاہ کے ترجمہ نگاروں کے مقابلے میں اہم ہے بلکہ پنجابی کلام کے دیگر ترجمہ نگاروں کی نسبت بھی توقع سے زیادہ بہتر اور کامیاب ترجمہ ہے لیکن کہیں کہیں ترجمہ نگار سے سہو بھی ہو گیا ہے جس سے بعض جگہ اصل مفہوم گم ہو جاتا ہے۔

ہاشم شاہ کے کلام کے ترجمہ نگار شفقت تنویر میرزا کے ترجمے سے کچھ مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں جہاں ترجمہ نگار پنجابی متن کے بعض الفاظ کے مفہوم کو درست طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے شاعر کی فکر سے دور جا پڑے یا ان کے برعکس ترجمہ کر دیا پنجابی متن اور منظوم اُردو کے حوالے ان کے ترجمے ہی سے دیے جائیں گے ملاحظہ ہوں چند مثالیں:

(۱)　**پنجابی متن:** دردی درد ونڈایا لوڑن ہتھوں آن دکھاون دکھدا　(ص:۲۲)

اُردو ترجمہ: محرم درد بھی اپنا اپنا غم ڈالیں میری جھولی　(ص:۲۳)

ترجمہ نگار یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ جو درد کی کیفیت سے واقف ہیں وہ بھی اپنے اپنے غم میری جھولی ڈال رہے ہیں۔ ان کے برعکس شاعر کا یہ کہنا ہے کہ ''دردی'' یعنی جو اہل درد یا واقف درد ہیں وہ بھی میرے دکھ درد بانٹنے کی بجائے الٹا میرے دکھوں کو ہوا دیتے ہیں گویا میرے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں۔ ''ونڈانا'' تقسیم کرنا، بانٹنا۔ ''لوڑن'' کی بجائے اور ''دُکھاون'' زخموں کو چھیڑنے کے لیے، غرض ترجمہ نگار شاعر کے مفہوم کو ادا نہیں کر پائے۔

(۲)　**پنجابی متن:** مجنوں سوز لیلیٰ دے جلیا اوہنوں کھان گوشت کد سُجھدا

ہاشم عشق کہے جگ جس نوں بھلا کون کِسے کول پُجدا　(ص:۲۴)

اُردو ترجمہ: دُنیا بے مطلب مجنوں کو جو عشق کی آگ جلے

ہاشم عشق کہے جسے دُنیا کبھی راس نہ آئے بھلے　(ص:۲۵)

ترجمہ کسی قدر مہمل اور مبہم ہے یہاں پہلا مصرعہ تو بالکل بے معنی سا ہے اور نامکمل بھی۔ اصل میں ہاشم شاہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجنوں تو لیلیٰ کے عشق جل چکا اُسے گوشت کھانا یا عیش وعشرت کہاں سوجھتی ہے۔ اے ہاشم! لوگ جس چیز کو عشق کہتے ہیں وہ اتنی آسانی سے کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ ترجمہ نگار نے دوسرے مصرعے میں ''بھلا'' کو ''بھلے'' بہ معنی ''اچھے'' باندھا ہے جس سے ترجمہ بالکل غلط ہو گیا یعنی ان کے مطابق ترجمہ یہ ہوا کہ اے ہاشم! دُنیا جس کو عشق کہتی ہے وہ بھلے لوگوں کو راس نہیں آتا۔ حالانکہ شاعر کی مراد یہ نہیں ہے۔ پنجابی مصرعے میں ''بھلا'' بطور اسم صفت نہیں آیا بلکہ یہ حرفِ استفہام ہے جو اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۳)　**پنجابی متن:** جس نے لئی بہار وصل دی سو ہویا اسیر ہجر دا

طوطی حُسن کلام نہ سکھدی کیوں پیندا دام پنجر دا　(ص:۲۶)

اُردو ترجمہ: وصل کی لذت جس نے لوٹی ہوا خوگر ہجر سفر کا

حسن کلام نہیں تھا اگر پنچھی پنجرے کیوں پھڑکا　(ص:۲۷)

ترجمہ نگار نے ''اسیر'' کو ''خوگر'' باندھا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان پر ''اسیر'' کے معنی واضح نہیں لیکن اس کے ترجمے میں بے بس نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے مصرعے من پنجرے میں قید ہونے کو ''پھڑکتا'' کہا جو کچھ زیادہ معنی کو بیان نہیں کر پائے۔

(۴)　**پنجابی متن:** ہاشم نیندا وگھاڑ سویرے نہیں دسدا سون بکھیڑا　(ص:۲۸)

اُردو ترجمہ: صبح کے ہوتے مشکل ٹھہرے ہاشم نیند کا ڈیرا　(ص:۲۹)

ترجمہ نگار کا یہ کہنا ہے کہ جب صبح ہو جاتی ہے تو پھر نیند کا (آنکھوں میں) ٹھہرنا مشکل ہو جاتا ہے یعنی انسان جاگ جاتا ہے لیکن شاعر کی یہ مراد نہیں وہ کہتے ہیں کہ اے ہاشم! تو صبح سویرے ہی نیند سے بیدار ہو جا اور اگر تو نہیں بیدار ہو گا تو تیرا یہ سوئے رہنا تجھے مشکل میں ڈال دے گا۔ ''اوگھاڑ'' نیند سے بیدار ہو۔ ''دسدا'' نظر آتا ہے (محسوس ہوتا ہے) ''سون'' سونا اور ''بکھیڑا'' مشکل، جھگڑا، خرابی، یعنی غفلت کی نیند نہیں سوئے رہنا چاہیے۔ جبکہ ترجمہ نگار نے فطری سی بات کی ہے کہ صبح ہوتے ہی نیند کے ڈیرے ڈالے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ غرض ترجمہ نگار شاعر کی اصل فکر سے دور جا پڑے۔

(۵)　**پنجابی متن:** سر گٹھڑی لکھ کوس ٹکانا اتے تن وچ تنک نہ زورا

دلبر یار بنی گل اوکھی مینوں بہن نہ ملدا بھورا　(ص:۳۶)

اُردو ترجمہ: دشتِ محبت لا محدود ہے نہیں یارا کس سے کہوں

دم لینے کو رکنا عار ہے آگے کیوں کر بڑھوں　(ص:۳۷)

ہاشم شاہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے سر پر گٹھڑی ہے اور لاکھوں کوس کے فاصلے پر منزل ہے اور جسم میں نہ تو فوری عمل کی قوت ہے اور نہ ہی توانائی ہے۔ اے میرے دلبر! میرے لیے یہ بڑی مشکل گھڑی کا وقت ہے کیونکہ مجھے ذرا بھی بیٹھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ دوسرے مصرعے میں ''بنی گل اوکھی'' کا مطلب کہ بات بڑی مشکل ہو گئی ہے یعنی اب بڑا مشکل وقت آن پڑا ہے۔ ترجمے میں اس کے لیے ''عار'' یعنی شرمندگی بے جوڑ سا ہے۔ پھر ''بہن نہیں ملدا بھورا'' ذرا بھی بیٹھنے کو نہیں ملتا۔ اس کو ترجمہ نگار نے ''آگے کیونکر بڑھوں'' کہا یہ بھی اصل متن کا مطلب نہیں۔ پہلے مصرعے میں ''کس سے کہوں'' بھی اضافی ہے اور ''سر گٹھڑی'' کا ترجمہ چھوڑ دیا۔

(۶)　**پنجابی متن:** مائے بیٹھ اکھیں وچ ویکھیں مینوں چاک کیہا کچھ دسدا　(ص:۴۴)

اُردو ترجمہ: ماں آنکھوں میں جھانک کے دیکھ مرے چاک کا عکس ہے کیسا　(ص:۴۵)

مترجم یہ کہتے ہیں کہ اے ماں تو تیری آنکھوں میں جھانک کر دیکھ کہ میرا چاک (رانجھا) کتنا خوبصورت ہے۔ ہاشم شاہ اس کے برعکس اسی مفہوم کو ایک خاص شاعرانہ حسن کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اے ماں اگر تو رانجھے کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہتی ہے تو آ اور میری آنکھوں میں بیٹھ جا پھر تجھے اس کی اصل اہمیت کا اندازہ ہو گا یعنی یہ کہا جا رہا ہے کہ اے ماں تو رانجھے کو میری نظروں سے دیکھ پھر تجھے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو گا۔ ترجمہ اس مفہوم سے مختلف ہے۔

(۷)　**پنجابی متن:** ہاشم سانس ہوئے کم تیرے کیہہ کرسیں یاد مویاں نوں　(ص:۶۲)

اُردو ترجمہ: کیا کیا ہم کو یاد کرے گا جب مُنہ جیون سے موڑا　(ص:۶۳)

''کیا کیا ہم کو یاد کرے گا''، اصل متن میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بجائے ''کیہہ کرسیں یاد مویاں نوں'' ہے۔ گویا اصل کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اے ہاشم! تیرے تو اپنے سانس تھوڑے رہ گئے ہیں تو دوسرے مرنے والوں کو کیسے یاد رکھے گا۔ جبکہ نگار نے ''ہم کو کیا یاد کرے گا'' بنا دیا۔ جس سے ترجمہ اصل سے ہٹ گیا۔

(۸)　**پنجابی متن:** ہاشم سوز اکھیں وچ آوے ویکھو برسن ابر بہاراں　(ص:۷۰)

اُردو ترجمہ: ابرِ بہار اب برسے تو ہاشم نیناں سوز کی دھار　(ص:۷۱)

ہاشم شاہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب آنکھوں میں سوز اور غم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو آنکھیں ابرِ بہاراں کی طرح برسنے لگ جاتی ہیں۔ اس کے برعکس ترجمہ نگار یہ کہہ رہے ہیں کہ جب ابرِ بہار برستا ہے تو آنکھیں غم زدہ اور پرسوز ہو جاتی ہیں۔ ترجمہ اصل کے برعکس اور الٹ ہو گیا۔ اصل متن میں آنکھوں کے سوز کا نتیجہ ابرِ بہاراں ہے (تشبیہ دیتے ہوئے) جبکہ ترجمے میں ابرِ بہاراں کا نتیجہ آنکھوں کا سوز ہے۔

(۹)　**پنجابی متن:** خونی ذات محبوب سپاہی جھیڑے چوٹوں مول نہ اکرے　(ص:۱۲۲)

اُردو ترجمہ: ایسے تیر انداز نشانے کبھی نہ غلط لگائیں　(ص:۱۲۳)

ترجمے میں یہ مفہوم ادا ہوا ہے کہ محبوب ایسے ماہر تیر انداز ہوتے ہیں کہ کبھی ان کے نشانے خطا نہیں ہوتے۔ ہمیشہ ان کا تیر نشانے پر لگتا ہے۔ جبکہ شاعر کا مطلب اس سے مختلف ہے۔ ہاشم شاہ محبوب کو ظالم اور خونی سپاہی سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبوب کی ذات اتنی بے رحم ہوتی ہے کہ ضربیں لگانے سے باز نہیں آتے۔ اکتاتے یا بیزار نہیں ہوتے۔ ترجمے کے مطابق محبوب کے نشانے کا یقین کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا تیر نشانے پر لگتا ہے یا نہیں یہ تو طے ہے کہ ہمیشہ اس کا تیر نشانے پر ہی لگتا ہے۔ ہاشم شاہ محبوب کے ستم ڈھانے کے رویے کی مستقل مزاج کا ذکر کر رہے ہیں۔ ''اکرے'' پنجابی لفظ ہے جس کے معنی بیزار ہونا، اکتا جانا، تنگ آ جانا یا تھک جانا کے ہیں۔

(۱۰)　**پنجابی متن:** برہوں دُور آزاری کیتے اسیں پریم چخا وچ پا کے

افلاطون نہ سمجھے ویدن جے نبض پھڑے ہتھ پا کے　(ص:۱۴۲)

اُردو ترجمہ: پریم کی آگ میں جلے کچھ ایسے، ایسے روگ لگائے

افلاطون سے چارہ گر بھی مرض سمجھ نہیں پائے　(ص:۱۴۳)

یہاں بھی ترجمہ نگار اصل سے دور ہٹ گئے ہیں۔ پہلے مصرعے میں ہاشم شاہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے ''برہوں'' (جدائی) کے دکھوں کو پریم کی آگ میں جلا کر اپنے سے دور کر لیا ہے۔ جیسے عشق کے کامل ہونے پر ہجر اور وصل کا فرق مٹ جاتا ہے۔ بالکل یہی کیفیت بیان ہوئی۔ لیکن ترجمہ نگار نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ہم ایسے پریم کی آگ میں جلے کہ خود کو بہت سے روگ لگا لیے۔ حالانکہ شاعر نے تو آزاروں (دکھوں) کے دور ہو جانے یا کر

دینے کی بات کی ہے۔ اسی طرح دوسرے مصرعے میں ہمارا مرض ڈھونڈنے یا اس کا علاج کرنے نکلا ہے۔ یہاں تو افلاطون بھی ہو تو نہ سمجھ سکے۔ ترجمہ میں اسی بات کو بغیر ''ویدان'' کو خطاب کیے تشبیہ کے لیے افلاطون کا نام آیا ہے۔

(۱۱) **پنجابی متن:** ماؤ پھیر سسّی نوں آکھے نہ چڑھ چیہ دیوانی

کدہُن جابلو چاں ملسیں پیریں بیگانی (ص:۱۹۴)

اُردو ترجمہ: ماں کہے سسّی سے بیٹا، مت جا پیچھے دیوانی

کیسے تجھے بلوچ ملیں گے جو چال چلیں بیگانی (ص:۱۹۵)

یہ شعر ہاشم شاہ کے منظوم قصّہ ''سسّی پنوں'' سے ہیں۔ یہاں سسّی کی ماں اسے سمجھاتی ہے کہ اے دیوانی تو ''نہ چڑھ چیہ'' یعنی ضد نہ کر۔ چیہ چڑھنا پنجابی محاورہ ہے جس کے معنی ضد کرنا۔ دوسرے مصرعے میں وہ کہتی ہے کہ تو پنوں سے ملنا چاہ رہی ہے لیکن یہ تیرے لیے ممکن نہیں، اب تو کیسے بلوچوں سے جا کر ملے گی کیونکہ وہ تو بیگانے پاؤں پر چلتے ہیں۔ سواری کے سفر کے لئے بیگانے پاؤں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بھی چونکہ ان بلوچوں کو قافلہ اونٹوں پر سوار ہے تو ''بیگانے پاؤں'' اونٹوں کے لیے استعمال ہوا۔ جبکہ ترجمے میں یہ باتیں نہیں آسکیں۔ ترجمہ شدہ پہلے مصرعے میں یہ کہا گیا ہے کہ اے سسّی تو دیوانی نہ بن اور ان کے پیچھے نہ جا۔ یعنی پنجابی محاورہ ''چیہ چڑھنا'' کا مفہوم ادا نہیں ہوا۔ جو سسّی کی کیفیت کی شدت کو واضح کرتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں ''پیریں ٹرن بیگانی'' کا ترجمہ ''چال چلیں بیگانی'' بھی درست نہیں ہے۔

ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پنجابی صوفی شعرا کے کلام کے دوسرے ترجمہ نگاروں کی طرح شفقت تنویر میرزا کے اس ترجمے میں بھی اشکالات ضرور ہیں اور پنجابی زبان کے الفاظ کے صحیح مفہوم اور معنی تک پہنچنا بعض اوقات ان کے لیے بھی مشکل رہا ہے۔ لیکن ان مثالوں سے یہ تاثر بھی نہ لینا چاہیے کہ شفقت تنویر میرزا کے ترجمے کا حال بھی دوسرے بیشتر ترجمہ نگاروں جیسا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں دوسرے بعض ترجمہ نگاروں کے ہاں ایسی مثالیں ڈھونڈنی نہیں پڑتیں بلکہ خود بخود پکار کر کہتی ہیں کہ ہم غلط ہیں اور تقریباً ہر صفحے پر مل جاتی ہیں۔ لیکن ان کے برعکس شفقت تنویر میرزا کے اس ترجمے سے مندرجہ بالا نوعیت کی مثالیں تلاش کرنا پڑی ہیں اور پوری کتاب میں سے بہت کدو کاوش کے بعد بہ مشکل یہی مل سکی ہیں۔

جس نوعیت کے اشکال دوسرے ترجمہ نگاروں کے ہاں پائے جاتے ہیں اس نوعیت کی مثالیں یہاں شفقت تنویر میرزا کے ترجمے میں بھی مل جاتی ہیں جو کہ کم بلکہ بہت کم ہیں لیکن ہیں ضرور۔ ان کے بعد اب ذیل میں اس کے علاوہ نوعیت کی بھی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں، یعنی کمزور ترجمہ، مبہم ترجمہ، نامکمل یا اضافی ترجمہ کی مثالیں بھی کسی قدر موجود ہیں۔ اب ذیل میں الگ الگ طور پر اس نوعیت کے مطالعات پیش کیے جاتے ہیں۔

پنجابی سے منظوم اُردو ترجمہ کرتے ہوئے کمزور ترجمے کی یہ صورت رہتی ہے کہ بعض اوقات لفظی ترجمہ ہو جاتا ہے پنجابی الفاظ کے اُردو معنی بھی ترجمے میں سب آ جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود کسی نہ کسی پہلو سے وہ اصل مفہوم کو بیان نہیں کرتا۔ واضح پتا چل رہا ہوتا ہے کہ پنجابی میں کچھ اور مفہوم ہے جو اُردو میں ادا نہیں ہوا۔ لیکن اس کے

باوجود چونکہ الفاظ کے سب معنی ترجمے میں درست آ چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے اسے غلط ترجمہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ شفقت تنویر میرزا کے زیرِ نظر ''ہاشم شاہ'' کے کلام کے ترجمے سے اس نوعیت کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) **پنجابی متن:** میرا حال پچھانے مجنوں جس دُکھ لیلیٰ دا جریا (ص:۲۲)

اُردو ترجمہ: میرے حال کو محرم مجنوں لیلیٰ کا سودائی (ص:۲۳)

اصل متن میں یہ ہے کہ مجنوں ہی میرے حال سے واقف ہوسکتا ہے کیونکہ اس نے خود لیلیٰ کے دکھ کو ''جریا'' یعنی برداشت کیا ہے۔ لہٰذا وہ میرے درد کو سمجھ سکتا ہے۔ اب ترجمے میں (''کو'' اگر کتابت کی غلطی کی وجہ سے ''کا'' پڑھا جائے) یہ بات تو آ گئی کہ میرے حال کا محرم مجنوں ہوسکتا ہے کیونکہ وہ لیلیٰ کا سودائی تھا۔ لیکن ابلاغ کی جو سطح پنجابی مصرعے میں ہے وہ یہاں کسی صورت پیدا نہیں ہوسکی۔

(۲) **پنجابی متن:** پل پل شوق زیادہ ہووے دل رکھدا پیرا گاہاں (ص:۶۰)

اُردو ترجمہ: آگے پاؤں پڑے تو شوق بھی پل پل بڑھتا جائے (ص:۶۱)

ہاشم شاہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہر لمحہ شوق بڑھتا جاتا ہے جس کے نتیجے میں دل بھی آگے قدم بڑھاتا ہے۔ یعنی شوق کے نتیجے میں قدم آگے بڑھتے ہیں۔ گویا شوق محرک ہے آگے بڑھنے کا اور یہ فطری اور آفاقی بات ہے۔ لیکن ترجمے میں پاؤں آگے بڑھنے کے نتیجے میں شوق بھی بڑھتا ہے۔ یعنی پہلے قدم اُٹھتا اور پھر شوق پیدا ہوتا ہے۔ گویا اصل کے برعکس ہو گیا۔ لفظی لحاظ سے ''آگے پاؤں پڑے'' کا مصرعے کے شروع میں آ جانا سقم نہیں حرف ''تو'' نے خرابی پیدا کی۔ مثلاً اگر اسی مصرعے سے ''تو'' کی شرط ہٹا کر اسے یوں کر دیں:

آگے پاؤں پڑے تب، شوق جوں پل پل بڑھتا جائے۔ تو مفہوم کچھ اصل کے قریب ہو جائے گا۔

شفقت تنویر میرزا کے اس ترجمے سے اب کچھ مبہم ترجمے کی مثالیں ملاحظہ ہوں کہ جن سے بات واضح نہیں ہوتی نہ اصل متن کا مفہوم کھل کر سامنے آتا ہے۔

(۱) **پنجابی متن:** اک چاہے اک مول نہ چاہے اوہ ہرگز نیونہہ نہ سردا (ص:۲۸)

اُردو ترجمہ: لیکن غیر یقینی نقشے سب کچھ ہی کھا جائیں (ص:۲۹)

ترجمہ شدہ مصرع اپنی جگہ الگ سے تو بامعنی ہے لیکن پنجابی مصرعے کے مقابلے میں بالکل بے معنی مبہم اور مہمل نظر آتا ہے۔ ہاشم شاہ نے اس دوہے میں عاشق کی بجائے محبوب کے بارے میں کہا ہے کہ عاشق کے ساتھ ساتھ محبوب کو بھی ثابت قدم اور محبت کرنے والا ہونا چاہیے۔ اب اس مصرعے میں وہ کہتے ہیں کہ ''اک چاہے'' یعنی عاشق چاہے اور ''اک مول نہ چاہے'' یعنی محبوب بالکل نہ چاہے۔ تو ''ہرگز نیو نہ سردا'' مطلب کہ عشق اور محبت کی روایت ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ''نیونہہ'' کے معنی محبت اور ''سردا'' خالص پنجابی لفظ جس کے معنی کامیاب ہونا، کسی کام کا مکمل ہونا، اب ملاحظہ ہو کہ یہ اصل متن کا مفہوم ترجمے میں کس قدر اُلجھ کر اور گم ہو کر رہ گیا ہے۔

(۲) **پنجابی متن:** ہاشم رنگ قیامت توڑی سانوں ایہو دان بہتیرا (ص:۳۸)

اُردو ترجمہ: ہاشم روز قیامت تک ہمیں کافی یہ توشہ خانہ (ص:۳۹)

''دان'' کے معنی عطا کرنا، عنایت کرنا، احسان کرنا۔ اصل مصرعے کا مفہوم یہ ہے کہ اے ہاشم! تم نے جو ہم پردان کیا ہے، جو احسان کیا ہے یہ ہمیں قیامت تک یاد رہے گا۔ لیکن ترجمے میں اس کی جگہ ''توشہ خانہ'' (مکان کا وہ حصہ جہاں گھر کا کم اہم سامان رکھا جاتا ہے) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ترجمہ شدہ مصرعہ بے معنی اور مبہم ہو گیا ہے۔ اصل خرابی قافیے کی پابندی نے پیدا کی ہے۔

اصل میں ترجمے میں ابہام اس وقت پیدا ہوتا ہے جہاں یا تو وہی غیر مانوس پنجابی لفظ درج کیے جائیں یا پھر ان کے صحیح معنی تک رسائی حاصل کیے بغیر مصرعہ مکمل کرنے کے لیے اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیا جائے۔ اس ترجمے میں بعض ایسی بھی مثالیں مل جاتی ہیں جہاں اصل متن کی نسبت اپنی طرف سے کسی بات یا الفاظ کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اب اس نوعیت کی صرف چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) **پنجابی متن:** سیس اُتار پیالہ کر کے اتے لے ہتھ بھیکھ منگیندا (ص:۳۰)
اُردو ترجمہ: کاسئہ سر لے ہاتھ میں نکلے نہیں مانگے بھیک بھی ملتی (ص:۳۱)

(۲) **پنجابی متن:** کُرسی پیٹر، کلیجہ دُکھسی ہو یا درد تیرے وچ پھوڑا (ص:۴۲)
اُردو ترجمہ: انگ سراپا درد ہوئے ہیں وصل میں بھی دُکھ پائیں (ص:۴۳)

(۳) **پنجابی متن:** جے دن رات رہاں وچ جل دے اتے وانگ پپیہے ترساں (ص:۵۰)
اُردو ترجمہ: شکوہ شکایت صبح و مسا اِک تشنگی ہی دے جائے (ص:۵۱)

(۴) **پنجابی متن:** آتش لین لگانے گھر دی اتے پھُوک دیون گھر اپنا (ص:۵۲)
اُردو ترجمہ: آگ پرائی لے گھر پھونکے، کرے تماشے میلے (ص:۵۳)

اس ترجمے میں اس نوعیت کی مثالوں سے مفہوم میں کچھ بگاڑ تو پیدا نہیں ہوتا لیکن پھر بھی جب لفظی اور پابند ترجمہ کیا جا رہا ہو تو اس میں صرف خانہ پری کے لیے یا مصرعے کو مکمل کرنے کے لیے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا جائے تو شاعر کی اصل فکر میں الحاق کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اصل متن میں سے کوئی نہ کوئی لفظ ترجمے میں نہیں آ سکتا اور اس کے بجائے ترجمہ نگار کی طرف سے اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً مندرجہ بالا مثال نمبر ۳ میں دیکھیے کہ ترجمہ شدہ مصرعے میں ''شکوہ شکایت'' کا جہاں اضافہ ہوا ہے وہاں اصل پنجابی مصرعے میں سے ''رہاں وچ جل دے'' (پانی میں رہوں) اور پپیہے کی تشبیہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

ترجمہ میں بعض اوقات جہاں کچھ اضافی باتیں آ جاتی ہیں وہاں ایسی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ اصل متن میں سے کچھ الفاظ ترجمے میں نہیں آ سکتے جس سے شاعر کی مکمل فکر سامنے نہیں آ سکتی۔ شفقت تنویر میرزا کے اس ترجمے میں بھی کچھ ایسی مثالیں مل جاتی ہیں، ملاحظہ ہوں۔

(۱) **پنجابی متن:** ترسن نین نہیں وس چلدا اتے دل وچ شوق ملن دا (ص:۳۰)
اُردو ترجمہ: نین ترستے رو گئے بس نہیں چلتا کسی بھی ڈھب کا (ص:۳۱)

(۲) **پنجابی متن:** تھرکن دیو جنہاں دی تیغوں اتے دھول پیا نت کم دا (ص:۳۲)

اُردو ترجمہ: جن کی تیغ سے دیو تھے لرزاں قلعہ قلعہ کانپا تھا (ص:۳۳)

(۳) **پنجابی متن:** تیٹوں تیٹوں دور ہووے نت پختہ اوہنوں اوکھد وانگ سکا وے (ص:۱۳۲)

اُردو ترجمہ: تب تب دل کا درد بڑھا اور پختہ ہوتا جائے (ص:۱۳۳)

ہاشم شاہ کے کلام کے اس ترجمے میں مختلف نوعیت کی ان مثالوں کے علاوہ، شاعرانہ حسن اور دیگر ضائع بدائع وفنی خوبیوں میں سے بھی کچھ نہ کچھ کمی رہ جاتی ہے۔کبھی تشبیہ واستعارہ کونظر انداز کرنا پڑتا ہے۔کبھی زبان و بیان یا قواعد کا کوئی نہ کوئی مسئلہ رہ جاتا ہے۔لیکن شفقت تنویر میرزا کے اس ترجمے میں ایسی صورت شاذ ہی پیدا ہوتی ہے۔البتہ ایک چیز جو کئی جگہوں پر محسوس ہوئی وہ یہ ہے کہ اس ترجمے میں بعض اوقات صیغہ بدل جاتا ہے مثلاً پنجابی مصرعے میں مخاطب یا خطاب کرنے والا کچھ ہے اور ترجمے میں بدل سر کچھ اور ہو جاتا ہے۔اس نوعیت کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) **پنجابی متن:** عشقا بال چخاوچ پاویں تاں میں انگ نہ موراں ذرا (ص:۴۰)

اُردو ترجمہ: عشق الاؤ میں لے جائے نہیں پل بھر کو انکار (ص:۴۱)

پنجابی متن میں ''عشقا'' خطابیہ ہے یعنی ''اے عشق!'' لیکن ترجمے میں بغیر خطاب کے یہ لفظ متن میں آیا۔ مفہوم تو ادا ہوا لیکن وہ لہجہ وہ تاثیر اور زور جو خطابیہ انداز سے پنجابی مصرعے میں ہے وہ ترجمے میں پیدا نہیں ہو سکا۔ اسی طرح کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

(۲) **پنجابی متن:** سن عشقا جہی تدھ نے کیتی توں روز ستاویں مینوں (ص:۶۰)

اُردو ترجمہ: عشق نے کیا کیا ہم سے کیا تو روز ہی ہمیں ستائے (ص:۶۱)

اس مصرعے میں بھی عشق سے خطاب کیا ہے کہ ''سن عشقا'' یعنی ''اے عشق سن'' شاعر عشق کو کیا سنانا چاہتا ہے؟ یہ کہ تم نے ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے کہ تو ہمیں روز ستاتا ہے۔اب ترجمہ ملاحظہ ہو کہ اس میں عشق کو خطاب نہ کرنے سے مفہوم تقریباً بدل گیا ہے۔ترجمے میں ہے کہ عشق نے ہم سے کیا کیا کچھ کیا ہے۔جب یہ صورت بیان کر دی تو پھر ''تو روز ہی ہمیں ستائے'' کا مخاطب محبوب بن جاتا ہے جو شاعر کی مراد نہیں۔صرف یہی نہیں۔اس دوہے کے اگلے مصرعوں میں بھی پہلے مصرعے کے مطابق مخاطب عشق ہی ہے لیکن ترجمے میں محبوب رہا گو شاعر کی عشق سے مراد بھی ظاہر ہے محبوب ہی ہے لیکن پنجابی کلام میں محبوب سے گریز کی صورت نے بہت حسن اور اثر پیدا کر دیا ہے۔جو ترجمے میں ظاہر نہیں ہو سکا۔

پنجابی سے منظوم تراجم کے گہرے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل کلام کی روح، تاثیر، حسن، روانی اور شدت جذبات منظوم اُردو ترجمے مع ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے تاثیر اور اثر تو ایک طرف اصل فکر ہی بدل جاتی ہے۔شفقت تنویر میرزا کے اس ترجمے میں سے پچھلے صفحات میں پیش کردہ مثالوں سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں بھی ایسے اشکال ضرور موجود ہیں جو دوسرے ترجمہ نگاروں کے ہاں مل جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی بات یہ خود شفقت تنویر میرزا کو اس بات کا کامل احساس ہے کچھ دوسرے ترجمہ نگاروں کی

طرح انہوں نے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ برملا اس بات کا اظہار کیا ہے کہ بعض وجوہ سے پنجابی سے منظوم اُردو ترجمہ جوئے شیر لانے کے بعد بھی شیریں کا حصول ممکن نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے اس ترجمے کے شروع میں لکھتے ہیں:

''پنجابی شاعری کا اُردو میں ترجمہ اپنے بہت سے معنی، حسن اور لذت درد کھو دیتا ہے۔ ہاشم شاہ کے شعروں کا یہ ترجمہ (بھی) اس عیب سے پاک نہیں۔'' ۵

شفقت تنویر میرزا کا یہ رویہ قابل داد اور لائق صد تحسین ہے انہوں نے ترجمہ نگاری اور پھر منظوم ترجمہ نگاری میں درپیش مشکلات کا بخوبی احساس وادراک کیا ہے پھر بھی اس بحرِ زنار کی غواصی کرنا اور سعی و کاوش قابل قدر ہے۔ شفقت تنویر میرزا کا ہاشم شاہ کے کلام کا یہ ترجمہ بہت بھرپور، بامعنی اور بہت سی خوبیوں کا حامل ہے۔ یہاں ترجمہ نگار بڑی حد تک مکمل طور پر اور بڑے سلیقے سے ہاشم شاہ کی فکر کو تمام فنکارانہ حسن کے ساتھ بیان کرنے میں بڑی سہولت سے کامیاب اور کامران ٹھہرے ہیں۔ ہاشم شاہ کے لہجے کی تاثیر اور اسلوب سے قطع نظر معنوی حسن کو میرزا صاحب نے کمال خوبی اور فنکاری سے بیان کیا ہے۔ مناسب ہوگا اگر ان کے ترجمے میں سے اچھے اور بہترین ترجموں کی کچھ مثالوں کو دیکھا جائے اور ترجمہ نگار کی محنت کاوش اور دیدہ ریزی کی داد دی جائے یہ جائزہ پنجابی سے منظوم اُردو ترجمے کی روایت کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جہاں غلط ترجموں کی روایت سامنے ہے وہاں اچھے اور درست تراجم کا تاثر بھی سامنے آ سکے۔ شفقت تنویر میرزا کے اس ترجمے میں سے کامیاب ترجموں کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں مع پنجابی متن کے تاکہ جائزے میں آسانی رہے۔

(۱)　**پنجابی متن:** تسبیح بہت پھراون کسبی، جنہاں دام فریب بچھایا
کر کر گیان سناون سیانے نہ ات بدھ شیخ کہایا
مطلب جو اسرار الٰہی اوہناں ہرگز مول نہ پایا
ہاشم سمجھ رسائین والے کدی اپنا آپ لکایا　　(ص:۲۴)

اُردو ترجمہ: دام فریب بچھانے والے گرگے تسبیح پھیریں
خطبے، دعوے، وعظ سنائیں، شیخ حرم کہلائیں
راز نیاز، اسرار نہ جانیں، ربّ کا بھید نہ پائیں
ہاشم رمز رموز جو جانیں اپنا آپ چھپائیں　　(ص:۲۵)

ہاشم شاہ نے اس دوہے میں بڑے پُر لطف انداز میں مذہبی طبقے پر طنز کی ہے اور انہیں اسرار الٰہی سے بیگانہ قرار دیتے ہوئے فریبی کہا ہے اور ساتھ ہی صاحب اسرار کی حقیقت کو بھی بیان کیا ہے۔ شفقت تنویر میرزا نے بڑے خوبصورت انداز سے اس مفہوم کو ادا کیا ہے۔ ترجمے میں روانی، سلاست اور مکمل ابلاغ کی صورت نے اس کے معنوی حسن کو اجاگر کر دیا ہے بطور خاص تسبیح پھیرنے والوں کے لئے ''کسبی'' کے لفظ کی جگہ ''گرگے'' بہت بھرپور لفظ استعمال کیا ہے۔

(۲)　**پنجابی متن:** نہ کر ہور علاج طبیبا مینوں فرق نہیں اک تل دا

دار وسیک لگے جل جائے جد بھڑک اٹھے دکھ دل دا
مائے مگر ہر اوّل عشق دا مینوں پلک ٹکا نہ وصل دا
ہاشم شوق بہتیرا دل نوں پر ہرگز رزق نہ ہلدا　　(ص:۲۶)

اُردو ترجمہ: اور علاج نہ کر چارہ گر، مجھے فرق نہیں اک تل کا
مرہم پل میں جل جائے جب بھڑکے شعلہ دل کا
میرے پیچھے عشق کا دستہ، مجھے چین نہیں پل ملتا
ہاشم دل کو شوق بہت، نہیں آب و دانہ ہلتا　　(ص:۲۷)

اس دوہے میں ہاشم شاہ نے حسن و عشق کے قائل اور گھائل دل کی کیفیت کو بڑے موثر اور پرسوز انداز میں بیان کیا ہے۔ شفقت تنویر میرزا نے بھی دل کی اس کیفیت کو اسی پرسوز اور پراثر انداز سے بیان کر دیا ہے۔ ترجمے پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔

(۳)　**پنجابی متن:** دل تو ہیں دلبر تو ہیں، اتے دید تو ہیں دکھ تیرا
نیندر بھکھ آرام تو ہیں توں اتے تیں بن جگت اندھیرا
نین پران حیاتی تو ہیں، تو ہیں تکیہ ڈیرا
ہاشم سانجھ تساڈے دم دی ہور وسدا ملک بہتیرا　　(ص:۴۰)

اُردو ترجمہ: دل تو ہے دلبر بھی تو، تو دید ہے، دکھ بھی تیرا
خواب خیال آرام بھی تو، بن تیرے جگت اندھیرا
ہوش حواس حیات بھی تو ہے تو منزل تو ڈیرا
ہاشم زیست ہے تیرے دم سے، بسے یوں دیس بہتیرا　　(ص:۴۱)

ترجمہ نگار نے اصل کیفیات اور اظہارات کو کتنے حقیقی انداز میں بیان کر دیا ہے۔ وہی لہجہ، وہی اسلوب، وہی تاثیر بڑی فنکاری سے صوتی آہنگ اور معنوی حسن کے ساتھ ترجمے میں ڈھل گئی ہے۔ اسی سلسلے کی طرف ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے۔

(۴)　**پنجابی متن:** ایہہ اکھیں بن فوج حسن دی ستی کلا جگاون
عقلنداں نوں کر منصوبہ اتے وس بیدرداں پاون
حاکم حکم کرن بن لشکر اتے بے تقصیر کہاون
ہاشم شاہ من آن اکھیں دی مت سولی پکڑ چڑھاون　　(ص:۴۸)

اُردو ترجمہ: یہ آنکھیں، یہ حسن کے لشکر، سوئی کلا جگائیں
اہل خرد کو بے دردوں کے دام میں لا پھنسائیں
چرچا پا کی داماں کا، بے لشکر حکم چلائیں

ہاشم مان کہا آنکھوں کا مت دار پر یہ کھنچوائیں　　　　(ص:۴۹)

اس دوہے کے اصل حسن کو بھی اس کے تشبیہات و استعارات سمیت بڑی خوبصورتی اور فنکاری سے ترجمہ نگار نے ادا کیا ہے۔ایسی مثالوں کی شفقت تنویر میرزا کے ہاں کمی نہیں ہے بلکہ ہر صفحے پر اپنے جلوے دکھا رہی ہیں۔ اس ترجمے سے یوں اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ نگار کو نہ صرف اُردو اور پنجابی زبان سے گہری واقفیت ہے بلکہ وہ ہاشم شاہ کی بیان کردہ کیفیات کو بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

ہاشم شاہ کے کلام کے جزوی ترجمہ نگاروں میں عبدالمجید بھٹی، شفیع عقیل اور شریف کنجاہی کے نام شامل ہیں۔ان میں سے اوّل ذکر دوحضرات کے ترجمے ''خیابان پاک'' میں شامل ہیں اور شریف کنجاہی کے ترجمے ان کی کتاب ''پنجابی شاعری سے انتخاب'' میں شامل ہیں۔ ان ترجمہ نگاروں نے چونکہ علی الترتیب، چار، تین اور پانچ دوہوں کے ترجمے کیے ہیں۔ان میں کوئی ایسی الجھن یا اصل متن کے برعکس مفہوم کی کوئی صورت نہیں ہے۔البتہ ایک فرق ہے کہ عبدالمجید بھٹی ہاشم شاہ کے دوہڑوں کے اس ترجمے میں کوئی ایک قافیہ نہیں نبھا سکے ہر دوہڑے کو دو الگ الگ قوافی کے اشعار کی صورت میں درج کیا ہے۔''خیابان پاک'' ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی اس وقت تک ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کا مرتبہ کلام ہاشم شاہ ابھی شائع نہ ہوا تھا میرزا صاحب اور شفیع عقیل کے ان ترجموں کے ساتھ اصل متن نہیں اور نہ انہوں نے نشاندہی کی ہے کہ پنجابی کلام انہوں نے کہاں سے لیا ہے۔لیکن ڈاکٹر فقیر کے مرتبہ ایڈیشن سے موازنہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے شفیع عقیل نے ایک بند ہاشم شاہ کے قصہ ''سسی پنوں'' سے ترجمہ کیا ہے بس اس کا ایک مصرعہ ڈاکٹر فقیر یا شفقت تنویر میرزا کے دیے گئے متن سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ذیل میں شفیع عقیل کا ترجمہ شدہ بند کا اصل پنجابی متن ڈاکٹر فقیر کے مرتبہ ایڈیشن سے درج کرنے کے بعد شفیع عقیل کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

پنجابی متن: نازک پیر ملوک سسی دے، مہندی نال سنگھارے
عاشق ویکھ ہیے اک واری، جی تنہاں پر وارے
بالو ریت تپے وچ تھل دے، جیوں جو بھُنن بھٹیارے
ہاشم ویکھ یقین سسی دا، پھیر نہیں دل ہارے ۶

اُردو ترجمہ: مہندی سے سسی نے اپنے نازک پاوں سنوارے
تھل کی ریت جلے یوں جیسے جو بھونیں بھٹیارے
سورج بھاگا اور بدلی میں چھپ گیا ڈر کے مارے
''ہاشم'' دیکھ یقین ''سسی'' کا اپنا قول نہ ہارے ۷

ترجمے میں تیسرا مصرع اصل متن سے مختلف ہے۔اس کے علاوہ اس ترجمے میں کوئی ایسی چھول نہیں ہے۔ شریف کنجاہی نے جو پانچ دوہڑوں کا ترجمہ کیا ہے ان میں سے ایک کسی قدر محل نظر ہے۔ ملاحظہ ہو ان کا دیا ہوا پنجابی متن اور اس کا منظوم اُردو ترجمہ:

پنجابی متن: پچھ پچھ پوے نہ چِتا مولے، اتے پچھ پچھ ہون نہ روگی
لکھیا لیکھ کرے سرگرداں کیا جوگی کیا بھوگی
سوکس طور بنے مکھیارا جس لیکھ بنایا سوگی
ہاشم لیکھ بناوے بھوگی، اتے لیکھ بناوے جوگی ۸

اُردو ترجمہ: پوچھ کے آتی ہے کب آفت پوچھ کے کون ہو روگی
لکھا لیکھ کرے سرگرداں کیا جوگی کیا بھوگی
وہ کس طرح بنے مکھیارا لیکھ لکھا جس سوگی
ہاشم لیکھ بناوے بھوگی لیکھ بناوے جوگی ۹

پنجابی متن کے پہلے مصرعے میں لفظ ''چِتا'' کی جگہ ڈاکٹر فقیر اور شفقت تنویر میرزا دونوں کے ہاں ''بپتا'' ہے۔ شریف کنجاہی کا مجوزہ لفظ ''چِتا'' بے چینی، بے قراری کے معنوں میں آتا ہے جو ان کے ترجمہ شدہ لفظ ''آفت'' سے مختلف ہے۔ اسی طرح اس دوہے کے آخری مصرعے میں ڈاکٹر فقیر اور میرزا صاحب کے ہاں لفظ ''بھوگی'' کی جگہ ''سوگی'' ہے جو زیادہ قرین قیاس اور مصرعے کے مفہوم کے لحاظ سے زیادہ بامعنی معلوم ہوتا ہے۔

ہاشم شاہ کے کلام کے ترجمہ نگاروں کے اس جا کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بڑی حد تک ہاشم شاہ کے افکار کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل، قابل قدر اور قابل تحسین ترجمہ نگار شفقت تنویر میرزا ہیں جنہوں نے ہاشم شاہ کے کلام کے منظوم اُردو ترجمے کو کتابی صورت میں شائع کروا کر ہاشم شاہ کو بھی اس روایت کا حصہ بنا دیا۔ ان کا یہ ترجمہ معنوی اور صوری ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے کہ انہوں نے ہاشم شاہ کے بنیادی اور اہم افکار کو اُردو دان طبقے سے متعارف کروایا ہے۔

حواشی:

۱۔ شفقت تنویر میرزا، ''ہاشم شاہ''، اسلام آباد: لوک ورثے کا قومی ادارہ، ۱۹۷۹ء، ص: ۱۰

۲۔ عصمت اللہ زاہد، ڈاکٹر، ''کلامِ صوفیا''، (مرتبہ)، لاہور: فیملی پلاننگ ایسوسی ایشین آف پاکستان، ۱۹۹۳ء، ص: ۵۸

۳۔ انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، ''پنجابی زبان و ادب کی مختصر تاریخ''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۷ء، ص: ۷۰

۴۔ ہمارے پیش نظر ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے مرتبہ ہاشم شاہ کے کلام بہ عنوان ''ککارے'' کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ جو

دسمبر ۱۹۸۷ء میں پاکستان پنجابی ادبی بورڈ کی طرف سے سیکرٹری ادارہ محمد آصف خاں نے شائع کیا۔

۵۔ شفقت تنویر میرزا، مترجم: ''ہاشم شاہ''، ایضاً، ص: ۱۷

۶۔ ہاشم شاہ، ''کارے''، مرتبہ: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۰۱

۷۔ شفیع عقیل، (ترجمہ)، خیابان پاک، کراچی: اداراہ مطبوعات پاکستان، ۱۹۵۶ء، ص: ۱۲۷

۸۔ شریف کنجاہی، مرتب و مترجم، پنجابی شاعری سے انتخاب، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۸۳ء، ص: ۵۶

۹۔ ایضاً، ص: ۵۷

II